درست وصحیح ہوگا۔

اس آیت مبارکہ کے آخری حصے پر توجہ کیجئے! نہایت جامع الفاظ ہیں: وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ "یہ قرآن اہل ایمان کے لیے مجسّم رحمت ہے" گویا رحمتِ خداوندی کا سب سے بڑا مظہر خود قرآن مجید ہے۔ جیسے فرمایا اَلرَّحْمٰنُ ٥ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ٥ "اس تبارک وتعالیٰ ہستی نے جس کی رحمت ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندروں کی طرح سے پرجوش ہے بلکہ اس کی رحمانیت کے مقابلہ میں سمندر کی حیثیت پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا، اس قرآن کا علم عطا کیا ہے۔ اس نے اپنے محبوب اور رحمۃ للعلمین کو اس قرآن کی تعلیم دی ہے[۱]۔ یہی قرآن میدانِ حشر میں اپنے ماننے والوں، دلی یقین رکھنے والوں، اس کی تلاوت کرنے والوں، اس پر غور وتدبر کرنے والوں، اس پر عمل کرنے والوں اور اس کی دعوت دینے اور اس کی تبلیغ کرنے والوں کے حق میں حجت بنے گا، ان کے لیے شفاعت کرے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آلِ عمران میدانِ حشر میں دو بدلیوں کی صورتوں میں ظاہر ہونگیں اور جن کو ان سورتوں سے محبت تھی، جو ان کو پڑھتے تھے، ان پر سایہ کریں گی۔

ایک پڑھنا ہمارا ہے۔ وہ طوطے کی طرح رٹا ہوا اور تیز میل کی رفتار سے تراویح میں پڑھا ہوا قرآن۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ خیر سے خالی ہے۔ ثواب ملے گا۔ ایک شخص اپنے مشاغل اور آرام کو چھوڑ کر آیا ہے، اس نے وضو کیا ہے، عشاء کی نماز ادا کی ہے پھر اس نے قریباً ایک گھنٹہ صلوٰۃ التراویح میں لگایا ہے۔ وہ دنیا کا تو کوئی کام نہیں کر رہا! اس کا اجر یقیناً محفوظ ہے۔ لیکن اس قرآن سننے اور سنانے کا جو اصل مقصد ہے، وہ حاصل نہیں ہوتا۔ اصل بات سمجھنے کی ہے! حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ فرماتے ہیں کہ "میں نے صرف سورہ بقرہ پر آٹھ برس تک تدبر کیا ہے" عربی زبان ان کی اپنی، صرف ونحو ان کو نہیں پڑھنی۔ پھر یہ کہ شانِ نزول کی روایات کی ان کو تلاش نہیں کرنی۔ وہ اس ماحول کا جزو ہیں، جس میں قرآن اتر رہا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب اور اکابر صحابہ کرام سے مستفید ہونے والے بزرگ، اور پھر سورہ بقرہ پر آٹھ برس صرف کر رہے ہیں! یہ بات بطور مثال میں نے پیش کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا حال

---

[۱] سورۃ الرحمٰن کی ان ابتدائی دو آیتوں پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے حاشیہ تحریر فرمایا ہے: "اللہ کے عطایا میں سب سے بڑا عطیہ اور اس کی نعمتوں میں سے سب سے اونچی نعمت ورحمت (یہ قرآن مجید) ہے۔ انسان کے ظرف پر خیال کرو اور علم قرآن کے اس دریائے ناپیدا کنار کو دیکھو، بلاشبہ ایسی ضعیف البنیان ہستی کو آسمانوں اور پہاڑوں سے زیادہ بھاری چیز کا حامل بنا دینا رحمان ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ورنہ کہاں بشر اور کہاں خدا کا کلام! (مرتب)

یہ تھا کہ قرآن مجید کا جتنا حصہ پڑھتے جاتے تھے اس کے مطابق عمل کرتے جاتے تھے۔ بہرحال احادیث کے اعتبار سے سورہ یونس کی آیت نمبر ۵۷ کے حوالہ سے یہ چار الفاظ ذہن نشین کرکے یہاں سے اٹھئے کہ یہ کتاب نوعِ انسانی کے لیے خاص اللہ کی طرف سے موعظہ، شفاء لما فی الصدور، ہدایت اور اہلِ ایمان کے لیے بالخصوص، نوعِ انسانی کے لیے بالعموم رحمت بن کر نازل ہوئی ہے۔ میں نے آغاز میں سورہ یونس کی آیت نمبر ۵۸ کی بھی تلاوت کی تھی۔ وقت کی کمی کے باعث اس کی تشریح ممکن نہیں پھر مجھے آپ حضرات کو ایک دعوتِ عمل بھی دینی ہے لہٰذا صرف رواں ترجمانی پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ "اے نبی کہہ دیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا مظہر ہے (کہ قرآن جیسی نعمت تمہیں عطا ہوئی) پس چاہیئے کہ لوگ اس پر شاداں و فرحاں ہوں۔ یہ اس سب سے بہت بہتر ہے، افضل و اعلیٰ ہے جو کچھ یہ لوگ جمع کر رہے ہیں۔" لوگ دولتِ دنیا کو قیمتی متاع سمجھتے ہیں اور اس کو جمع کرنے میں حلال و حرام تک کی تمیز نہیں کرتے۔ یہ چیزیں ان کو جہنم کا ایندھن بنانے والی ہیں، جبکہ قرآن رشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم ہے جس پر عمل کرنے پر ہی آخرت کی فوز اور فلاح و کامرانی کا اصل دار و مدار ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس کا مفہوم ہے کہ قرآن مجید جیسی عظیم دولت کے مقابلہ میں اگر کسی کو یہ خیال آیا کہ اس سے بڑی دولت، دولتِ دنیوی ہے تو وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوا۔ ظاہر بات ہے اللہ کی نعمت کے کفران کا نتیجہ آخرت میں اللہ کی سزا اور دنیا میں رسوائی اور خواری کے سوا اور کیا نکل سکتا ہے!

ایک بات میں یہ بھی عرض کر دوں کہ بعض اوقات انسان کو کوئی فیض حاصل ہوتا ہے لیکن اُسے اس کا شعور نہیں ہوتا۔ میں نے جس شدت سے موجودہ صورتِ حال کی نفی کی ہے۔ اس سے مایوس نہ ہو جائیں کہ بس یہ رسم تھی، رمضان نیکیوں کا موسمِ بہار بن کر آیا اور گزر گیا۔ ہو سکتا ہے کہ جن حضرات نے روزے رکھے صلوٰۃ التراویح ادا کی غیر شعوری طور پر کچھ دولت ان کو حاصل ہوئی ہو۔ لیکن اس کا انہیں شعور حاصل نہ ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ میں سے ہر شخص اپنے آپ کو ٹٹولے۔ اللہ تعالیٰ نے ماشہ بھر، تولہ بھر جو خیر بھی کسی کو عطا فرمایا ہے اور قرآن مجید کی طرف جو بھی توجہ ہوئی ہے اُسے ہم میں سے ہر شخص اپنا بنیادی اثاثہ (STARTING CAPITAL) بنائے اور اس سرمایہ اور اثاثہ میں اضافے کی فکر کرے۔ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ کرے۔

یہ نہ سوچیے کہ میری عمر اب پڑھنے کی کہاں رہ گئی ہے۔ ہم نے اکثر ادھیڑ عمر کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ترقی کی خاطر ڈیپارٹمنٹل امتحان کے لیے بڑی محنتیں کرتے ہیں۔ تو عمر کا معاملہ رکاوٹ نہیں بنتا۔ رکاوٹ بنتا ہے ضعفِ ارادہ — اور میں تو یہ کہا کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قرآن نازل ہونا شروع ہوا جب آپؐ کی عمر شریف چالیس برس کی تھی۔ تو آپ غور کیجئے کہ ہم کو یہ زیب دے گا کہ ہم میں سے کوئی یہ سوچنے لگے

کریں OVER AGE ہو چکا ہوں اضرورت اس بات کی ہے کہ ہم قرآن پڑھنے، سمجھنے اور عربی سیکھنے کے لیے ایک عزم مصمم پیدا کریں۔ اس کا ان شاء اللہ ایک بہت مفید نتیجہ نکلے گا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ بھارت میں ہائی کورٹ کی سطح پر ایک رٹ داخل کی گئی تھی کہ قرآن مجید پر پابندی لگائی جائے چونکہ یہ کتاب اپنے ماننے والوں کو جہاد و قتال کی تعلیم دیتی اور تشویق و ترغیب دلاتی ہے۔ بہرحال وہاں کے ججوں نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا ہے کہ اس رٹ کو مسترد (RULE OUT) کردیا۔ اگر خدانخواستہ وہاں قرآن مجید پر پابندی کا فیصلہ ہو جاتا تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ بھارت کا مسلمان ہم سے کئی گنا زیادہ غیور ہے۔ کیا قیامت صغریٰ وہاں آتی۔ اس کا اندازہ ہم نہیں کر سکتے۔ اور اگر وہاں مسلمان کھڑا ہو گیا ہوتا تو اللہ جانے اس کا ردِ عمل کیا ہوتا۔ کتنی خون کی ندیاں بہتیں!۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کہ جج صاحبان نے اس کو مسترد کر کے بات ختم کر دی۔ لیکن جان لیجئے کہ یہ بات آج پہلی مرتبہ نہیں ہوئی۔ یہ بات برطانیہ کے لارڈ جارج نے آج سے تقریباً بیس برس قبل کہی تھی۔ اس نے برطانیہ کی پارلیمنٹ میں قرآن لہرایا تھا اور کہا تھا کہ جب تک دنیا میں یہ کتاب موجود ہے امن قائم نہیں ہو سکتا[1]۔ یہ بات جسے دشمن اپنی دشمنی کے اظہار کے لیے دشمنی ہی کے انداز سے بیان کر رہا ہے وہ اصل میں کیا ہے؟ اس کو معروضی انداز میں سمجھئے ـــ واقعہ یہ ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے کہ اگر کسی درجہ میں بھی اس کا آپ پر انکشاف ہو جائے تو آپ کے اندر ایک بجلی بھر جائے۔ آپ پھر باطل کے وجود کو برداشت کرنے والے نہیں ہوں گے۔ جس طرح قرآن مجید نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو متحرک (MOTIVATE) کیا ہے وہ نقشہ قرآن میں موجود ہے۔ احادیث اور کتب سیر میں موجود ہے۔ ان میں سرفروشی، جاں نثاری کا ایسا جوش و خروش پیدا کیا ہے کہ وہ گھر بار، اہل و عیال، مال و منال سب چھوڑ چھاڑ کر اپنے سر ہتھیلیوں پر رکھ کر اس عزم و جزم کے ساتھ میدانِ کارزار میں نکل آئے کہ یا اب حق کا بول بالا ہوگا اور یا ہم راہِ حق میں اپنی گردنیں کٹوا دیں گے۔ سورۂ احزاب میں ان سرفروشوں اور ان فدائین کا ایک نقشہ بایں الفاظ بیان ہوا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا	"اہل ایمان میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں
مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ	نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ	ہے (اس کی راہ میں گردنیں کٹا کر سرخرو ہو چکے
يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝	ہیں) ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور

---

[1] یہی بات آریہ سماج کے مشہور لیڈر سوامی شردھانند نے بھی غالباً ۱۹۲۷ء میں کہی تھی۔

کوئی اپنی باری آنے کا منتظر ہے اور ان اہلِ
ایمان نے اپنے رویّے اور طرزِ عمل میں ذرہ برابر
تبدیلی نہیں کی۔"

قرآن واقعتاً وہ کتاب ہے جو اس پر ایمان رکھنے والوں کے اندر بجلی بھر دیتی ہے۔ یہ تو ہم نے اُسے بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ اُسے صرف کتابِ مقدس کا درجہ دیا ہوا ہے۔ اُسے حصولِ ثواب بلکہ اب تو زیادہ تر ایصالِ ثواب کا ذریعہ سمجھ رکھا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ ورنہ اگر یہ قرآن منکشف ہو جائے تو وہ ایمان اور وہ یقین دلوں میں راسخ ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں حق کے ساتھ جینا ہے اور حق کے ساتھ مرنا ہے۔ ہم نے باطل کو للکارنا ہے اس سے نبرد آزما ہونا ہے۔ ہم نے اسی کا اپنے رب کے ساتھ سودا کر لیا ہے: اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ "اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہے مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔" آگے فرمایا کہ اہلِ ایمان اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ اللہ کی راہ میں قتال کا حکم کسی دوسری الہامی کتاب میں آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ ہے وہ اصل بات جس سے دشمن خائف رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر کسی درجہ میں بھی قرآن مجید سے ہمارا قلبی یقین والا تعلق قائم ہو گیا تو زندگیوں میں انقلاب آئے گا۔ اور پھر واقعتہً وہ انقلاب ایک عظیم عالمی انقلاب پر منتج ہوگا کہ حق کا بول بالا ہو، اللہ کا دین غالب ہو، اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

رمضان کو چونکہ گزرے ابھی آٹھ دن ہوئے ہیں اس لیے میں نے اسی مناسبت سے کوشش کی ہے کہ رمضان المبارک اور قرآن مجید میں جو ربط و تعلق ہے اُسے آج کی گفتگو میں کچھ واضح کروں اور اسطرح ایک نگاہ بازگشت کے انداز میں آپ کو قرآن حکیم کی طرف اپنی توجہات کو منعطف و مرتکز کرنے کی دعوت دوں۔ آپ کی یاد دہانی کراؤں کہ کائنات میں قرآن حکیم اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا مظہر ہے جو ہمیں رحمۃ للعٰلمین، خاتم النبیین، سید المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ملا ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بات یہی فرمائی تھی کہ: قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَّا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابُ اللّٰہِ۔ خطبہ کے آغاز میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ "لوگو! میں تو اب جا رہا ہوں۔ شاید دوبارہ اس جگہ ملاقات نہ ہو۔" آخر میں فرمایا کہ میں تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ میں تمہارے بیچ وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اور وہ ہے کتاب اللہ

(بقیہ صلا پر)

قسط ۳

ہدایتِ القرآن

مولانا محمد تقی امینی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ   اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرما

اوپر کی آیت میں دینے (عبادت) لینے (استعانت مدد مانگنے) کا تعلق خالص اللہ سے کرنے کے بعد اس آیت میں بندہ اللہ ہی سے راستہ کی رہنمائی کی دُعا کرتا ہے۔

ہدایت کے معنی راستہ بتانا، راستہ پر لگانا اور رہنمائی کرنا ہے، صراط مستقیم کے معنی سیدھا راستہ، وہ راستہ جس سے فلاح دارین حاصل ہو وہ راستہ جو دنیا و آخرت میں کامیاب بنائے۔

" رہنمائی کا کام عقل بھی کرتی رہتی ہے لیکن بہت سی جگہ تنہا عقل کی رہنمائی ناکافی ہوتی یا اس کی رہنمائی غلط ثابت ہوتی ہے اس بنا پر عقل کی رہنمائی و کارگزاری دور تک تسلیم کرنے کے باوجود بھی کسی اور رہنمائی کی ضرورت باقی رہتی ہے اور وہ "آسمانی رہنمائی" ہے جو صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کی طرف رہنمائی کرتی اور اس کے درست ہونے کی ضمانت پیش کرتی ہے یہ "آسمانی رہنمائی" اس کمی کو دور کرتی ہے جو عقل میں پائی جاتی ہے اور ان چاکوں کی رفوگری کرتی ہے جن میں عقل بے بس ہے اور ان گوشوں کی رہنمائی کرتی ہے جو اگرچہ عقل کی سرحد سے پار ہیں لیکن وہ گوشے انسان میں موجود ہیں۔

یہ آسمانی رہنمائی (جو اللہ اپنے پاس سے بھیجتا ہے) اور عقل (جو انسان کے پاس موجود ہوتی ہے) کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ ٹکراؤ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب آسمانی رہنمائی کی اصلی شکل برقرار نہیں رہتی اس میں ملاوٹ آجاتی ہے اور عقل اپنی جگہ قائم نہیں رہتی بلکہ ہوس کا شکار ہو کر بے قابو ہو جاتی ہے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان حضرات کو دیکھنا ہوگا جن کے پاس دونوں (آسمانی رہنمائی اور عقل) اپنی اپنی اصلی حالت و شکل میں موجود ہوں، یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جن سے بڑھ کر دُنے

زمین پر کوئی پیدا نہیں ہوا اور جن کی عظمت و بڑائی کے آگے سبھی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں ان کے پاس جو "آسمانی رہنمائی" ہوتی ہے وہ صاف شفاف اپنے سرچشمہ سے نکلی ہوئی موجود ہوتی ہے، ان کے پاس جو عقل ہوتی ہے وہ ہوس کا شکار ہوئے بغیر اپنی اصلی حالت پر قائم ہوتی ہے، لیکن تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ان کی عقل اور آسمانی رہنمائی میں کبھی ٹکراؤ ہوا ہو جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں (آسمانی رہنمائی اور عقل) جب اپنی اصلی حالت وشکل میں ہوتے ہیں تو ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے اور جہاں دونوں یا ان میں کوئی اپنی اپنی جگہ سے ہٹے تو بس ٹکراؤ ہی ٹکراؤ نظر آتا ہے۔

ٹکراؤ کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ گمراہی اس وقت گیا ہے جبکہ دونوں نے اپنی اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، عقل ہوس کا شکار ہوکر بے لگام ہوگئی تھی اور آسمانی رہنمائی میں ملاوٹ آگئی تھی۔

اس تاریخ کو سمجھنے کے لیے بھی انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں موجود آسمانی رہنمائی اور اس وقت کے لوگوں کی عقل پر نظر کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ حضرات جب تشریف لاتے ہیں تو ایسا نہیں ہوتا کہ آسمانی رہنمائی بالکلیہ ختم ہوجاتی ہو بلکہ وہ موجود رہتی اور اس پر عمل درآمد باقی رہتا ہے لیکن وہ اصلی شکل میں نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ملاوٹ آجاتی ہے، جس کی بناء پر اس سے انبیاء علیہم السلام کی عقل (جو بے داغ ہوتی ہے) کا قدم قدم پر ٹکراؤ ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام جو آسمانی رہنمائی لاتے ہیں وہ اصلی ہوتی ہے لیکن اس کا ٹکراؤ قدم قدم پر لوگوں کی اُس عقل سے ہوتا ہے جو اپنی جگہ نہیں ہوتی بلکہ بے لگام ہوجاتی ہے۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ دونوں (آسمانی رہنمائی اور عقل) میں ٹکراؤ پر جب بھی گفتگو ہوئی وہ یکطرفہ رہی، عقل کے نمائندوں نے عقل کو معصوم قرار دے کر آسمانی رہنمائی میں کانٹ چھانٹ کا مشورہ دیا اور آسمانی رہنمائی کے نمائندوں نے عقل کو قابل گردن زدنی سمجھ کر اس کو مردود و ملعون قرار دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں ٹکراؤ کا سبب (دونوں کا اپنی اپنی اصلی حالت وشکل میں نہ ہونا) جان کر اس کو دور کرنے کی سنجیدہ کوشش نہ ہوسکی تاریخ میں جس قدر کوششیں محفوظ ہیں وہ عمل و ردِ عمل کی نفسیات کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔

"آسمانی رہنمائی" اگر عقل کی حوصلہ افزائی کرتی اور اس کے ہر چھوٹے بڑے کام میں دخل اندازی کے بجائے بوقت ضرورت صرف "تصحیح" پر اکتفا کرتی تو غالباً ٹکراؤ کی اتنی ضخیم تاریخ نہ مرتب ہو پاتی، لیکن یہ فرض وہی "آسمانی رہنمائی" انجام دے سکتی ہے جو اصلی شکل میں محفوظ ہو اور ذہنوں پر اس کی گرفت بھی مضبوط ہو۔

"آسمانی رہنمائی" جس صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس کی بنیادی باتیں یہ ہیں۔

(۱) ایمان واعتقاد سے متعلق مثلاً ہر قسم کی خوبیوں سے اللہ کو آراستہ سمجھنا، اللہ کی پاکی بیان کرنا جو اس کی شان کے مناسب ہے، یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام واقعات سے پہلے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے، اللہ کے فرشتے ہیں جو نافرمانی نہیں کرتے، اللہ نے اپنے بندوں میں جس کو چاہا رسول بنایا اور کتاب دی، قیامت، مرنے کے بعد کی زندگی، دوزخ وجنت سب حق ہیں۔

(۲) طہارت و پاکی سے متعلق مثلاً جسم ولباس کو گندگی و میل کچیل سے پاک صاف رکھنا، قلب و دماغ کو ہر قسم کی آلودگیوں اور آلائشوں سے دور رکھنا، نفس و شرمگاہ کو کثافتوں اور غلط کاریوں سے محفوظ رکھنا زبان، کان، آنکھ وغیرہ کو غلط استعمال سے بچانا۔

(۳) عبادت وطاعت سے متعلق، مثلاً اللہ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا، چہرہ اور دل اس کے سپرد کرنا۔ خالص اس کی عبادت وطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھنا، شعائر (اللہ کی خاص یادگار) کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا، عبادت واستعانت (مدد مانگنا) میں غیر کی شرکت حرام سمجھنا اور اللہ ہی کو نفع وضرر کا مالک وغیرہ جاننا۔

(۴) نیکی وبدی سے متعلق مثلاً دل کی پاکی وعمل کی سچائی جس کے لیے محض ضابطہ کی خانہ پری کافی نہیں بلکہ اللہ سے مستقل ربط وتعلق ضروری ہے، نیکی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے، کمال نیکی حاصل کرنے کے لیے اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی لازمی ہے، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنی ضروری ہے۔

(۵) پاکیزہ وگندی چیزوں سے متعلق مثلاً پاکیزہ وگندی چیزیں برابر نہیں ہیں، ایک کو دوسرے سے بدلنے کی اجازت نہیں ہے، گفتگو، تعلقات، روزی، زندگی اور اولاد وغیرہ ہر ایک میں پاکیزگی کو اختیار کرنا اور گندگی سے دور رہنا، صراطِ مستقیم کی یہی بنیادی باتیں ہیں جن کی طرف رہنمائی کی بندہ درخواست ودعا کرتا ہے۔

رہنمائی میں یہ بنیادی باتیں اوپر سے نہیں جوڑی جاتی ہیں بلکہ اندر سے ابھاری جاتی ہیں، یعنی آسمانی پیغام نے انسان کی فطرت کو جیسی بنایا ہے اس کے لحاظ سے اس میں ان باتوں کے نقش ونگار ابتداء ہی سے موجود ہوتے ہیں آسمانی پیغام ان نقش ونگار کو ابھار کر ان کا "پیکر" تیار کرتا ہے جس کا نام وہ "دین" تجویز کرتا ہے۔

"فطرت" کے یہ نقش ونگار یکساں ہوتے ہیں اس بنا پر آسمانی پیغام کا "پیکر" سبھی کے لیے یکساں تیار ہوتا ہے یعنی ایک ہی دین ہر زمانہ میں سب انسانوں کے لیے آتا ہے اس میں کوئی

اختلاف نہیں ہوتا، فطرت کے ان نقش و نگار کو ابھار کر "پیکر" تیار کرنے کی کوشش عقل بھی کرتی ہے جس کی وجہ سے کچھ نہ کچھ مذکورہ باتیں ان لوگوں میں بھی پائی جاتی ہیں جو آسمانی پیغام کے فیض سے محروم ہوتے ہیں لیکن عقل کی رسائی دور تک تسلیم کرنے کے باوجود نقش و نگار کے بعض گوشے اس کے قابو سے باہر ہوتے ہیں پھر عقل صرف اندر ہی کا اثر نہیں قبول کرتی بلکہ باہر کا اثر بھی قبول کرتی ہے جس کی بناء پر عقل کی کوشش میں ملاوٹ آجاتی ہے اور اس کا تیار کیا ہوا "پیکر" اندر کے نقش و نگار سے مطابقت نہیں پیدا کرتا ہے،

"آسمانی پیغام" اپنی رسائی اور نقش و نگار سے مطابقت پیدا کرنے میں عقل کی خامیوں سے پاک ہے اس بناء پر عقل کی کوشش سراہنے کے باوجود آسمانی پیغام کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے اور اس نسبت سے درخواست و دعا کی بھی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ‏ ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا

جس صراطِ مستقیم (سیدھے راستہ) کی اوپر کی آیت میں دعا کی گئی ہے اس آیت میں اس کی پہچان بتائی گئی ہے اور پہچان بھی اس طرح کہ اس کا عملی نمونہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اس راستہ کو دوسری جگہ صراط اللہ (اللہ کا راستہ) کہا گیا ہے (شوریٰ آیت ۵۳) اور اس آیت میں انعام پائے ہوئے لوگوں کا راستہ بتایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ ہی کا راستہ دنیا و آخرت میں کامیابی و بھلائی اور انعام کا مستحق ٹھہراتا ہے اس راستہ کی طرف ہدایت بجائے خود اللہ کا انعام ہے کہ اس میں محبوب کی اطاعت و فرماں برداری کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ مزید برآں انعام ہے، مثلاً اللہ کی رضامندی حاصل ہونا، پاکیزہ و صاف ستھری زندگی مہیا ہونا، لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہونا اور بالآخر اللہ کی رضامندی کی جنت میں داخل ہونا۔ اسی طرح قومی و جماعتی پیمانہ پر یہ اطاعت و فرماں برداری پائی جائے تو اس کے نتیجہ میں عزت و سربلندی حاصل ہونا، حکومت و اقتدار حاصل ہونا، اپنی پسندیدہ راہ کو استقرار و جماؤ حاصل ہونا اور پھر امن و سکون کی عام فضا پیدا ہونا۔

اللہ نے جن کو انعام پائے ہوئے لوگوں میں شمار کیا ہے اور جن کے نقشِ قدم کی پیروی اللہ کی رضامندی کا پتہ دیتی ہے ان کا ذکر اس آیت میں ہے۔

مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ‏ وہ انبیاء ہیں صدیقین ہیں شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔ (النساء آیت ۶۹)

(۱) انبیاءؑ وہ ہیں جو زندگی کے ہر گوشہ میں ہر حیثیت سے حق وصداقت (صراطِ مستقیم) کے داعی اور مبلغ ہوتے ہیں یہی حضرات لوگوں کو سچائی سے روشناس کراتے ہیں اور انہیں کی بدولت دنیا میں سچائی کا نام زندہ اور کام باقی ہے ان کا انتخاب اور تقرر اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، یہ اپنی خصوصیات میں یکتا و یگانہ ہوتے ہیں، اپنی جدوجہد اور کوشش سے کوئی ان کے درجہ اور مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

(۲) صدیقین وہ ہیں جن کی زندگی میں حق وصداقت سرایت ہوتی ہے، وہ اس کے سانچے میں اس طرح ڈھلے ہوتے ہیں کہ اس کے خلاف سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے ہیں حالات کتنے ہی ناسازگار کیوں نہ ہوں ہوائیں کتنی ہی مخالف کیوں نہ چل رہی ہوں؟

(۳) شہداء وہ ہیں جن کی زندگی میں حق وصداقت کی شہادت اور گواہی نمایاں ہوتی ہے، زبان وقلم اور کردار وعمل سے وہ اس میں مصروف رہتے ہیں اور اس کام کے لیے کسی وقت اگر جان کی بازی لگانے کا وقت آجائے تو اس سے پیچھے نہیں رہتے ہیں۔

(۴) صالحین وہ ہیں جن کی زندگی اللہ کی اطاعت و فرماں برداری میں بسر ہوتی ہے، برائیوں سے بچتے اور اللہ کے ساتھ چالاکی کا رویہ نہیں اختیار کرتے ہیں۔ وہ روش یہ ہے کہ جب تک اپنی ذاتی غرض و فائدہ کا سوال نہ ہو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری خوب زور شور کے ساتھ کی جائے اور جب اپنی اطاعت و فرماں برداری میں اپنی غرض نہ پوری ہوتی ہو یا کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو اطاعت و فرماں برداری کو خیرباد کہہ کر غرض پوری کرلی جائے اور فائدہ حاصل کرلیا جائے۔

یہ دراصل درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے انعام پائے ہوئے لوگوں کی تقسیم ہے، سب سے اونچے درجہ اور مرتبہ پر انبیاء علیہم السلام فائز ہوتے ہیں، پھر صدیقین ہیں، اس کے بعد شہداء اور پھر صالحین ہیں، یہ حضرات نیچے درجہ سے ترقی کرکے اونچے درجہ پر پہنچ جاتے ہیں، مثلاً صالحین اطاعت و فرمانبرداری اور اس راہ کی قربانی میں ترقی کرکے شہداء کے درجہ پر پہونچتے ہیں اور شہداء حق وصداقت کی شہادت اور اس راہ کی قربانی میں ترقی کرکے صدیقین کے درجہ پر پہونچتے ہیں، لیکن صدیقین کسی طرح اور کسی سمت بھی ترقی کرکے انبیاءؑ کے درجہ پر نہیں پہونچ پاتے ہیں۔

صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) کے پہچان کا مذکورہ طریقہ بتانے کی غالباً وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ راستہ کی نشاندہی کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت ہوجائے کہ یہ راستہ آسائش کا نہیں ہے بلکہ آزمائش کا ہے، اس پر چلنا پھولوں کی سیج پر چلنا نہیں بلکہ کانٹوں کے فرش پر چلنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راستے پر چلنے والوں کا تعارف بھی اسی طریقہ سے کرایا ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا۔

ای الناس اشد بلاء — کن کو زیادہ آزمائش و مصیبت پیش آتی ہے۔

آپ نے فرمایا:

الانبیاء ثم الامثل فالا مثل (ترمذی و مشکوۃ باب عیادۃ المریض) — اللہ کے نبیوں کو پھر ان کو جو درجہ اور مرتبہ میں ان کے قریب ہوتے ہیں، پھر ان کو جو ان کے قریب ہوتے ہیں۔

آزمائش اور مصیبتوں کا ایک رُخ تو یہ ہے کہ ان کے ذریعہ دل و دماغ کے آگینہ میں وہ خاص چمک پیدا کی جاتی ہے جو ہر ایک کے بلند و برتر مقام کے لیے درکار ہے اور جو لمبا اوقات صرف عبادت و طاعت سے نہیں پیدا ہوتی ہے، لیکن اس کے علاوہ ان آزمائشوں اور مصیبتوں کا ایک اور رُخ بھی ہے جس کا تعلق عام لوگوں سے ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے کھرے کھوٹے اور حق پسند و مفاد پرست میں امتیاز قائم ہوتا ہے، کھرا اور حق پسند ہر حال میں صراطِ مستقیم (اللہ کے راستہ) پر قائم رہتا ہے خواہ کتنی آزمائشیں ہوں اور مصیبتیں پیش آئیں، کھوٹا اور مفاد پرست اسی وقت تک صراطِ مستقیم (اللہ کے راستے) پر قائم رہتا ہے جب تک اس سے آسائش ملتی رہے اور مصیبتوں سے نجات حاصل رہے، قرآن میں ایسے لوگوں کا حال اس طرح ہے۔

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُنِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُنِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ۔ (حج آیت ۱۱) — اگر ان کو آسائش (فائدہ) پہنچتی ہے تو مطمئن رہتے ہیں اور اگر آزمائش و مصیبت پہنچتی ہے تو بدل جاتے ہیں۔

یہ لوگ گویا کنارے پر کھڑے موقع کے منتظر رہتے ہیں جدھر فائدہ نظر آیا بس ادھر ہی چل پڑے، انہیں لوگوں کے بارے میں ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ (حج آیت ۱۱) — لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی عبادت (اطاعت) کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔

صراطِ مستقیم (اللہ کا راستہ) بہت سے ٹیڑھے ترچھے راستوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور ہر راستہ میں بڑی کشش و دل فریبی کا سامان ہے، شیطان ان کا داعی و مبلغ ہے، یہ راستے زیادہ دور بھی نہیں ہیں بلکہ صراطِ مستقیم ہی کے دائیں بائیں ہیں اور ان کے ذریعہ شیطان کامیابی کی منزل تک پہونچانے کا دعویدار بھی ہے، ایسے حالات میں ان سے بچنے اور سیدھے راستے پر قائم رہنے کے لیے بڑے ریاض کی ضرورت ہے اور مسلسل اللہ سے مدد طلب کرتے رہنے کی ضرورت ہے، قرآن نے ان ٹیڑھے ترچھے راستوں سے باخبر کیا ہے۔